امان جان کی گردن پر اونکا خون ہوا۔

مین۔ افسوس! مین تو اوسی دن دل مین کھٹک گئی تھی۔ اسی لیے اوس دن اُنکے ساتھ اوٹھی تھی کہ کچھ سمجھا بجھا دون۔ مگر وہ زینے سے اوتر ہی گئے۔

بسم اللہ۔ اون کے سر پر قضا سوار تھی۔ خدا غارت کرے بڑے نواب کو۔ نہ اونکو جائداد سے بے حق کرتے نہ وہ اپنی جان دیتے۔

مین۔ خدا جانے مان کا کیا حال ہوا ہوگا۔

بسم اللہ۔ سنا ہے بچاری دیوانی ہو گئی ہین۔

مین۔ جو نہ ہو کم ہے۔ یہی تو ایک اللہ آمین کا لڑکا تھا۔ ایک تو بچاری رانڈ بیوہ۔ دوسرے یہ آفت۔ اون کے سر پر ٹوٹ پڑی۔ سچ پوچھو تو اونکا گھر ہی تباہ ہوگیا۔

رسوا۔ تو نواب چھبّن صاحب کو آپنے ڈبو ہی دیا۔ اچھّا اس موقعے پر ایک بات مجھے پوچھ لینے دیجیے۔

امراؤ۔ پوچھیے۔ رسوا۔ نواب صاحب پیرنا جانتے تھے یا نہین۔

امراؤ۔ کیا معلوم۔ یہ آپ کیون پوچھتے ہین!

رسوا۔ اِسلیے کہ مجھے میر مچھلی صاحب نے ایک نکتہ بتایا تھا کہ جو شخص پیرنا جانتا ہے وہ اپنے قصد سے نہین ڈوب سکتا۔

کچھ اونکو امتحانِ وفا سے غرض نہ تھی
اِک زار و ناتوان کے ستانے سے کام تھا

مرزا رسوا صاحب آپ کو کسی سے کبھی عشق بھی ہوا ہے!

رسوا۔ جی نہین۔ خدا نہ کرے۔ آپ کو تو سیکڑون سے عشق ہوا ہوگا۔ آپ اپنا حال کہیے۔ ایسی ہی باتین سننے کے تو ہم مشتاق ہین۔ مگر آپ کہتی ہی نہین۔

امراؤ۔ یون تو میرا رنڈی کا پیشہ ہے۔ اور یہ ہم لوگون کا چلتا ہوا فقرہ ہے۔ جب کسی کو دام مین لانا چاہتے ہین۔ اوس پر مرنے لگتے ہین۔ ہم سے زیادہ کسی کو مرنا نہین آتا۔ ٹھنڈی سانسین بھرنا۔ بات بات پر رو دینا۔ دو دو دن کھانا نہ کھانا

کوئین مین پاؤن لٹکا کے بیٹھ جانا۔ سنکھیا کھا لینا یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ کیسا ہی سخت دل کا آدمی کیون نہو۔ ہمارے فریب مین آ ہی جاتا ہے۔ مگر مین آپ سے سچ کہتی ہون کہ نہ مجھے کسی کو عشق ہوا۔ اور نہ مجکو کسی سے۔ البتہ بسم اللہ جان کو عشقبازی مین بڑا ملکہ تھا۔ انسان تو انسان۔ فرشتہ اون کے جل سے نہین نکل سکتا تھا۔ ہزارون آدم ان کے عاشق تھے۔ اور وہ ہزارون پر عاشق تھین۔ سچے عاشقون مین اک مولوی صاحب قبلہ کا چہرہ بھی تھا۔ ایسے ویسے مولوی نہ تھے۔ عربی کی اونچی اونچی کتابون کا درس دیتے تھے۔ دُور دُور سے لوگ اون سے پڑھنے آتے تھے۔ معقولات مین اونکا مثل و نظیر نہ تھا۔ جس زمانے کا مین ذکر کرتی ہون سن شریف ستر سے کچھ ہی کم ہوگا۔ نورانی چہرہ۔ سفید داڑھی۔ سر مُنڈا ہوا۔ اوسپر عمامہ۔ عبائے شریف۔ عصائے مبارک۔ اونکی صورت دیکھکر کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ آپ ایک چھٹی ہوی۔ شوخ۔ نوجوان رنڈی پر عاشق ہین۔ اور اس طرح عاشق ہین۔

ایکدن کا واقعہ عرض کرتی ہون۔ اسمین کسی طرح کا مبالغہ نہ سمجھیے۔ بالکل صحیح صحیح ہے۔ آپ کے دوست ۔۔۔۔ میر صاحب قبلہ مرحوم جنکو دلبر جان سے تعلق تھا۔ خود شاعر تھے۔ اور عمدہ اشعار پر دم دیتے تھے۔ اسی سلسلے مین حسن پرستی کا بھی شوق تھا مگر نہایت ہی معقولیت کے ساتھ شہر کی وضعدار رنڈیون مین کون ایسی تھی جہان وہ نہ جاتے ہون۔

رسوا۔ جی ہان کہیئے۔ مین خوب جانتا ہون۔ خدا اونکے درجات عالی کرے!

امراؤ۔ وہ بھی اوس موقع پر موجود تھے۔ شاید آپ کو یاد ہو بسم اللہ جان خانم سے لڑکے کچھ دنون کے لیے اوس مکان مین جا رہی تھین۔ جو بزازے کے پچھواڑے تھا

رسوا۔ مین اوس مکان پر کبھی نہین گیا۔

امراؤ۔ خیر۔ مگر بسم اللہ کے دیکھنے کے لیے اور اس غرض سے بھی کہ ماں بیٹیون مین ملاپ کرا دون۔ اکثر جایا کرتی تھی۔ ایکدن قریب شام صحن مین تختون سے چوکے پر گاؤ سے لگی بیٹھی ہین۔ میر صاحب (مرحوم) اون کے قریب تشریف رکھتے ہین مولوی صاحب قبلہ سامنے دور مہذب بنے بیٹھے ہوئے ہین۔ اوسوقت کی اونکی بیکسی کی

صورت مجھے کبھی نہ بھولے گی۔ زیتون کی تسبیح پر چپکے چپکے (شاید) یا حفیظ۔ یا حفیظ۔
پڑھ رہے ہیں۔ میں جو گئی تو بسم اللہ نے ہاتھ پکڑ کے مجھے برابر بٹھا لیا۔ میں میر صاحب اور مولوی صاحب کو تسلیم کر کے بیٹھ گئی۔ بسم اللہ نے چپکے سے میرے کان میں کہا، تماشا دیکھو گی؟

میں۔ (حیران ہو کر)۔ کیا تماشا؟

بسم اللہ۔ دیکھو۔ یہ کہہ کے مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

مکان کے صحن میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت تھا۔ مولوی صاحب کو حکم ہوا۔ اس درخت پر چڑھ جاؤ۔

مولوی صاحب کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ تھر تھر کانپنے لگے۔ میں زمین میں گڑی جاتی تھی۔ میر صاحب منہ پھیر کے بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب بیچارے کبھی آسمان کو دیکھتے تھے۔ کبھی بسم اللہ کی صورت کو۔ وہاں ایک حکم کر کے دوسرا حکم پہونچا اور فوراً۔ تیسرا نادری حکم "چڑھ جاؤ کہتی ہوں۔"

اب میں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بسم اللہ کہہ کے اوٹھے۔ عبائے شریف کو تختوں کے چوکے پر چھوڑا۔ نیم کی جڑ کے پاس کھڑے ہوئے۔ پھر ایک مرتبہ بسم اللہ کی طرف دیکھا۔ اوس نے ذرا چیں بجبیں ہو کے کہا۔ "ہوں!"

مولوی صاحب پائنچے چڑھا کے درخت پر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر بسم اللہ کی طرف دیکھا۔ اس دیکھنے کا شاید یہ مطلب تھا کہ بس یا اور۔

بسم اللہ۔ اور۔

مولوی صاحب اور چڑھے۔ پھر انتظار کا حکم کیا۔ پھر وہی اور۔ اسیطرح درخت کی پھننگ کے پاس پہونچ گئے۔ اب اگر اور اوپر جاتے تو شاخیں اسقدر پتلی تھیں کہ ضرور ہی گر پڑتے۔ اور جان بحق تسلیم ہو جاتے۔ بسم اللہ کی زبان سے اور نکلنے ہی کو تھا کہ میں قدموں پر گر پڑی۔ میر صاحب نے نہایت منت کے ساتھ سفارش کی بارے حکم ہوا اتر آؤ۔ مولوی صاحب چڑھنے کو تو چڑھ گئے تھے۔ مگر اوترنے میں بڑی دقت ہوئی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب گرے اور اب گرے۔ مگر بخیر و عافیت اوتر آئے۔ بیچارے پسینے پسینے ہو گئے۔ دم پھول گیا۔ قریب تھا کہ گر پڑیں۔ مگر اپنے کو

سنبھال کے نعلین پہن کے تخت کے قریب آئے۔ عمامۂ مبارک زیب سر کیا۔ چپکے بیٹھ گئے۔ تسبیح پڑھنے لگے۔ بیٹھ تو گئے تھے مگر کسی پہلو قرار نہ تھا چیونٹے ازار شریف مین گھس گئے تھے اوس سے بہت ہی پریشان تھے۔

رسوا۔ جی ہی واللہ۔ بسم اللہ بھی عجب دل لگی باز رنڈی تھی۔

امراؤ۔ دل لگی کا کیا ذکر ہے۔ وہ بیدرد چپکے بیٹھی تھی۔ تبسم کا اثر بھی چہرے پر نہ تھا۔ مین اور میر صاحب دونون دم بخود بیٹھے تھے۔ ایک عجیب عالم حیرت طاری تھا۔

رہے گا کون کوئی طرز ستم باقی زمانے مین
مزا آتا ہے اوس کافر کو الفت آزمانے مین

رسوا۔ یہ جملہ عمر بھر ہنسنے کے لیے کافی ہے۔ تصور شرط ہے۔ تم نے تو بیان کیا اور میری آنکھون کے سامنے۔ بسم اللہ۔ مولوی صاحب۔ اور اونکی مقدس صورت میر صاحب۔ تم۔ صحن۔ نیم کا درخت۔ ان سب کی تصویرین کھنچ گئین۔ یہ تو کچھ ایسا واقعہ ہے کہ دفعتاً ہنسی بھی نہین آتی۔ اچھا غور کر لون تو ہنسون۔ نا صاحب مجھے ہنسی نہین آتی۔ مولویصاحب کی حماقت پر رونا آتا ہے۔ بے شک بسم اللہ قیامت کی رنڈی تھی۔ ستر برس کا بڈھا اور سر پہ حکم "درخت پر چڑھ جاؤ" اور وہ بھی چڑھ گئے۔ میری تو کچھ سمجھ مین نہین آتا۔ بڑا دقیق مسئلہ ہے۔

امراؤ۔ واقعی آپ نہین سمجھ سکتے۔ اسمین قیامت کی باریکی ہے آخر بیان ہی کرنا پڑا۔

رسوا۔ للہ بیان کیجئے۔ کیا ابھی کچھ اور فضیحت باقی ہے۔

امراؤ۔ ابھی بہت سی فضیحتین باقی ہین۔ لے سنئے۔

مولویصاحب کے جانے کے بعد مین نے بسم اللہ سے پوچھا تھا۔

مین۔ بسم اللہ۔ یہ تجھکو ہوا کیا تھا؟ بسم اللہ۔ کیا۔؟

مین۔ ستر برس کا بڈھا۔ اور جو درخت پر سے گر پڑتا تو مفت خون ہوتا۔

بسم اللہ۔ ہماری بلا سے خون ہوتا۔ مین تو اس موئے بوبک کے جلی ہوئی تھی کل میری دھنو کو اس زور سے دے پٹخا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی ہوتی۔"

بات یہ تھی کہ بسم اللہ جان نے ایک بندریا پالی تھی۔ اوسکا بڑا گہرا سہاگ تھا۔ فدا او سکے ٹھاٹھ سُن لیجئے۔ اطلس کی گھنگریا۔ کامدانی کی کرتی۔ جالی کی اوڑھنی چاندی کی چوڑیان۔ طوق۔ گھنگھرو۔ سونے کی بالیان۔ جلیبیان۔ امرتیان۔ کھانے کو۔ سب مول لی تھی۔ تو ٹوکی ذراسی تھی۔ دو تین برس مین کھا کھا کے خوب موٹی ہوئی تھی۔ جو لوگ جانتے تھے۔ وہ تو خیر۔ اجنبی آدمی پر منہ جا پڑے تو گھگھی بندھ جائے۔ زور بھی اتنا تھا کہ اچھے مرد کا ہاتھ پکڑ لے تو چھڑائے نہ چھوٹے۔

جس دن مولوی صاحب نیم پر چڑھائے گئے ہین۔ اوس سے ایکدن پہلے کا ذکر ہے کہ آپ تشریف لائے۔ تختون کے چوکے پر بیٹھے ہوے تھے۔ بسم اللہ جان کو مسخراپن سوجھا۔ دھتو کو اشارہ کیا۔ وہ پشت سے جھپکے جھپکے آئی۔ اور اچانک مولویصاحب کے کندھے پر جا بیٹھی۔ مولویصاحب نے جو مڑکے دیکھا۔ بیچارے گھبرا گئے۔ زور سے جھٹک دیا۔ یہ تخت کے نیچے گر پڑی یا مین تو جانتی ہون خود چلی گئی ہوگی۔ مولوی صاحب پر کھو کھیانے لگی۔ مولویصاحب نے لاٹھی دکھائی۔ وہ ڈر کے بسم اللہ کی گود مین جا بیٹھی۔ بسم اللہ نے اوسے تو چمکار دوپٹے کا آنچل اوڑھا دیا۔ اور مولویصاحب کو خوب دل کھول کے کوسا۔ گالیان دین۔ اسپر بھی صبر نہ آیا۔ دوسرے دن یہ سزا تجویز کی۔

رسوا۔ سزا مناسب تھی۔

امراؤ۔ مناسبت مین تو کوئی شک نہین۔ مولویصاحب کو کھٹکے کا لنگور بنا دیا۔

رسوا۔ واقعی مولوی صاحب لائق تعزیر تو تھے۔ قیس نے تو سگ لیلی کو پیار کرکے گود مین اوٹھا لیا تھا۔ اور مولویصاحب نے بسم اللہ جان کی چاہتی بندریا کو اول تو جھٹک دیا۔ پھر یہ بے ادبی کی کہ اوسے لاٹھی دکھائی۔ عشق کی شان سے بہت بعید تھا۔

ایکدن رات کے آٹھ بجے بسم اللہ جان کے کمرے مین ہون۔ بسم اللہ جان گھار رہی ہین۔ مین طنبورہ چھیڑ رہی ہون۔ خلیفہ جی طبلہ بجا رہے ہین۔ اتنے مین مولویصاحب قبلہ

تشریف لائے۔

بسم اللہ۔ (دیکھتے ہی) یہ آٹھ دن سے آپ کہاں تھے۔

مولویصاحب۔ کیا کہوں۔ مجھے تو ایکی ایسی تپ شدید لاحق ہوئی تھی کہ بچنا محال تھا۔ مگر تمہارا دیدار دیکھنا تھا اسلیئے جانبر ہوگیا۔

بسم اللہ۔ تو یہ کہیئے۔ وصال ہوگیا ہوتا۔

اس فقرے نے مجکو اور خلیفہ جی کو پھڑکا دیا۔

مولویصاحب۔ جی ہاں آثار تو کچھ ایسے ہی تھے۔

بسم اللہ۔ واللہ اچھا ہوتا۔

مولویصاحب۔ میرے مرنے سے آپ کا کیا نفع ہوتا۔

بسم اللہ۔ جی آپ کے عُرس مین ہر سال جایا کرتے۔ گاتے۔ ناچتے۔ لوگون کو رجھاتے۔ آپ کا نام روشن کرتے۔

اسی طرح کی چند باتون کے بعد پھر گانا شروع ہوا۔ بسم اللہ نے حسب موقع یہ غزل شروع کی۔

مرتے مرتے نہ قضا یاد آئی ٭ اوسی کافر کی ادا یاد آئی

مولوی صاحب پر وجد کی حالت طاری تھی۔ آنسوؤن کا تار بندھا ہوا تھا۔ قطرے ریش مقدس سے ٹپک رہے تھے۔ اتنے مین سامنے والا دروازہ کھلا۔ اور ایک صاحب جوان۔ گندمی رنگ۔ گول چہرہ۔ سیاہ داڑھی۔ میانہ قد کسرتی بدن۔ جامدانی کا انگرکھا۔ پھنسا پھنسا پہنے۔ بڑے پائینچون کا پاجامہ۔ مخملی جوتہ۔ نہایت عمدہ۔ جالی کی چکن کا رومال اوڑھے ہوئے داخل ہوئے۔ بسم اللہ نے دیکھتے ہی کہا۔ واہ صاحب اوسدن کے گئے گئے آج آپ آئے ہے بس ہٹیلئے مین ایسی آشنائی نہین رکھتی۔ اور وہ لال طاقی گرنٹ کے طاقتے کہان ہین۔ اسی سے تو آپ نے منہ چھپایا۔

وہ صاحب۔ (لجاجت کے لہجہ مین) نہین سرکار یہ بات نہین۔ اوسدن سے مجھے فرصت ہی نہین ملی والدہ کی طبیعت بہت علیل تھی۔ مین اونکی تیمارداری مین تھا۔

بسم اللہ۔ جی ہان۔ آپ ایسے ہی سعادتمند ہین مجھے یقین ہے۔ یہ نہین کہتے

کہ آجکل بتّن کی چھوکری پر آپ فریفتہ اور رات کو وہین کی درباروا ری ہوتی ہے۔
مجھے سب خبرین ملتی ہین۔ اور ہم سے نقرے ہوتے ہین کہ والد کی طبیعت علیل تھی۔
اس آواز کو سنکے ایک مرتبہ مولوی صاحب نے پیچھے مڑکے دیکھا۔ اِنکی اور اُنکی
چار آنکھین ہوئین۔ مولوی صاحب نے فوراً منہ پھیر لیا۔
دوسرے صاحب کو جو دیکھتی ہون تو چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ہاتھ پاؤن تھرتھر
کانپنے لگے۔ جلدی سے دروازہ کھول کمرے کے نیچے تھے۔ بسم اللہ پکارتی کی پکارتی
رہی اونھون نے جواب تک نہ دیا۔
بسم اللہ بھی کچھ سمجھ بوجھ کے پہلے تو چپ سی ہو گئی۔ مگر پھر ایک ہی مرتبہ تیوری چڑھا کے
آپ ہی آپ کہنے لگی "دو بھر باشد" اتنا کہہ کے گانے مین مصروف ہو گئی۔
اوس دن کے بعد مین نے اونکو کبھی بسم اللہ کے پاس آتے نہین دیکھا۔ مولوی صاحب
برابر آیا کیے۔
رسوا۔ جی ہان اگلے زمانے کے لوگ ایسے ہی وضعدار ہوتے تھے۔
گانا ہو ہی رہا تھا کہ گوہر مرزا شاید یہ سنکے کہ مین یہان ہون یہین چلے آئے۔
ان سے اور بسم اللہ سے ہنسی ہوتی تھی۔ گالی گلوج سے لے کے کشتم کشتا تک
نوبت پہونچ جاتی تھی۔ میرا مزاج ایسا چھچھورا نہ تھا کہ مین برا مانتی۔
گوہر مرزا آتے ہی میرے اور بسم اللہ کے بیچ مین بیٹھ گیا۔ اور جھپ سے بسم اللہ کے
گلے مین ہاتھ ڈال دیا۔
گوہر مرزا۔ آج تو خوب گا رہی ہو۔ جی چاہتا ہے ......
اب جو دیکھتی ہون تو مولوی صاحب کے ماتھے کی جھریون مین حرکت ہونے لگی۔
ایک ہی مرتبہ گوہر مرزا کی نگاہ مولوی صاحب پر جا پڑی پہلے تو غور سے صورت دیکھی
پھر اپنا کان زور سے پکڑا۔ جھجھک کے پیچھے ہٹا (یہ معلوم ہوتا تھا گویا آپ سے ڈر گئے)
بسم اللہ اس حرکت پر بے تحاشا ہنس پڑی۔ خلیفہ جی مسکرانے لگے۔ مین نے منہ پر رومال
رکھ لیا۔ مگر مولوی صاحب بہت ہی چین بجبین ہوئے۔ بلکہ قریب تھا کہ اوٹھ جائین
مگر بسم اللہ نے کہا "ہو بیٹھو" بیچارے پھر بیٹھ گئے۔ بسم اللہ بھی کیا ہی شریر تھی [illegible]
پر یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ گوہر مرزا میرے آشنا ہین۔ تاکہ مولوی صاحب دیکھ کے جلین

گوہر مرزا سے ہنسنا شروع کیا۔ بڑی دیر تک مولویصاحب کو اِس دھوکے مین رکھا۔ اور اونکا وہ حال جیسے کوئی انگارون پر لوٹ رہا ہو۔ چلیے جاتے ہین۔ مارے ہنسی کے میرے پیٹ مین بل پڑے جاتے ہین۔ آخر مولوی صاحب کی بیبی پر مجھی کو رحم آیا۔ مین نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ اسپین بسم اللہ مجھسے ناراض بھی ہوئین مین نے گوہر مرزا کی طرف متوجہ ہوکے کہا "اے بس اب جھلاپن کر چکے۔ چلو"

اب مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ گوہر مرزا سے مجھسے رسم ہے۔ بسم اللہ سے کوئی واسطہ نہین۔ بہت ہی خوش ہوے۔ باچھین کھل گئین۔

رسوا۔ مولوی صاحب سے تو پاک محبت تھی نہ؟

امراو۔ پاک محبت تھی۔

رسوا۔ پھر اونکو جلنا نہ چاہیے تھا۔

امراو۔ واہ کیا پاک محبت مین رشک نہین ہوتا؟ ہوتا ہے۔

رسوا۔ تو پاک محبت نہو گی۔

امراو۔ اب یہ اُنکا ایمان جانے۔ مین تو یہی سمجھتی تھی۔۔۔

خانم کی نوچیون مین میرے سوا یون تو ہر ایک اچھی تھی۔ مگر خورشید کا جواب نتھا۔ پری کی صورت تھی۔ رنگ میدا و شہاب۔ ناک۔ نقشہ۔ گویا صانع قدرت نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ آنکھون مین یہ معلوم ہوتا تھا کہ موتی کوٹ کے بھر دیے ہین۔ ہاتھ پاؤن سڈول نور کے سانچے مین ڈھلے ہوے۔ بھرے بھرے بازو گول کلائیان۔ جامہ زیبی وہ قیامت کی کہ جو پہنا معلوم ہوا یہ اسی کے لیے مناسب تھا۔ ادائون مین وہ دلفریبی وہ بھولاپن کہ جو ایک نظر دیکھے ہزار جان سے فریفتہ ہو جائے۔ جس محفل مین جا کے بیٹھ گئی معلوم ہوا ایک شمع روشن ہو گئی۔ بیسیون رنڈیان بیٹھی ہون نگاہ اوسی پر پڑتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر تقدیر کی اچھی نہ تھی اور تقدیر کو بھی کیون الزام دیجیے خود اپنے ہاتھون عمر بھر خراب رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رنڈی پنے کے لائق نہ تھی بیسواڑے کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی۔ صورت سے شرافت ظاہر تھی۔ حسن خداداد تھا۔ مگر اس حسن و جمال پر خبط یہ تھا کہ کوئی مجھپر